# اسلام اور ہمارا قانونی نظام

(عبدالقادر عودہ شہیدؒ)

(۴)

**فرانسیسی انقلاب اور قوانینِ یورپ** اس میں شک نہیں کہ فرانسیسی انقلاب سے پہلے یورپ میں وضعی قوانین کو ایک حد تک غلبہ اور بالا دستی حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان قوانین میں اخلاقی اصول اور دینی عقائد کی خاصی آمیزش تھی۔ اہلِ روما کے عہدِ قدیم سے اوامر و نواہی، عادات و اخلاق، احکامِ دینیہ اور عدالتی نظائر کی ایک معتد بہ مقدار متوارث چلی آرہی تھی اور تسلسل کے ساتھ ان پر عمل درآمد ہوتا چلا آیا تھا۔ انقلابِ فرانس کے بعد یورپ کے قانون سازوں نے قانون کی ان دیرینہ بنیادوں کو منہدم کرنا شروع کر دیا اور زیادہ تر مادی افادیت، ظاہری امن و امان اور نظم و نسق کو قانون کی بنا قرار دے دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون کا باطنی اور روحانی پہلو بہت بودا اور کمزور ہو گیا اور افراد و اقوام کے قلوب قانون کی دسترس اور اُس کے تسلط سے باہر ہو گئے۔ دین، عقائد اور اخلاق سے بے اعتنائی کے لازمی ثمرات یہ تھے کہ انتشار، بدنظمی، سرکشی اور توہینِ قانون کی روش عام ہو گئی۔ آئے دن بغاوتیں اور انقلابات رونما ہونے لگے اور انسان کی زندگی سے امن، سکون اور اطمینان آہستہ آہستہ رخصت ہو گیا۔

**قانون کے استخفاف کی اصل وجہ** قوانینِ جدیدہ کی اہانت اور بے حرمتی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انقلابِ فرانس کے وقت جن خوش آئند نظریات کا صُور بڑے زور سے پھونکا گیا تھا ان میں سے ایک نظریہ انسانی مساوات کا اور دوسرا عقیدے کی حریت کا تھا۔ ان دونوں نظریات کو آپس میں جمع کرنے اور تطبیق دینے کی جو شکل اُس وقت قانون سازوں کی سمجھ میں آئی وہ یہ تھی کہ قانون اور عقیدے میں کسی طرح کا علاقہ باقی نہ رہنے دیا۔ یہ لوگ دراصل اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ اگر عقیدہ و قانون

کے باہمی ربط و تعلق کو برقرار رہنے دیا گیا تو یہ صورتِ حال آزادئ فکر و عقیدہ کے منافی ہوگی اور اس کی وجہ سے مختلف العقیدہ گروہوں کے مابین قانونی مساوات بھی قائم نہیں ہو سکے گی۔ اس غلط فہمی کا یہ افسوسناک نتیجہ رونما ہوا کہ قانون کو کلیتہً غیر اخلاقی بنیادوں پر استوار کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کاش کہ اس پیچیدگی کو اس طرح سے حل کیا جاتا جس طرح سے کہ اسلام نے اسے حل کر کے دکھایا ہے۔ اس حل سے اصل مقصد بھی فوت نہ ہونے پاتا اور مضر نتائج بھی برآمد نہ ہوتے۔

**مسئلہ مذکورہ کا اسلامی حل** | یہ امر تو معلوم ہی ہے کہ قوانینِ اسلام کی بنیاد شریعت پر رکھی گئی ہے اور یہ قوانین اپنی فطرت اور اصل کے اعتبار سے لادینی نہیں بلکہ دینی قوانین ہیں۔ اسلام میں یہ اصول بھی مسلّم ہے کہ اس کے قوانین کا نفاذ مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے اور ان غیر مسلم ذمیوں پر بھی ہوتا ہے جو دارالاسلام میں متوطن ہو کر اس کی شہریت قبول کر لیں۔ دوسری طرف مساوات اور حریتِ فکر بھی اسلام کے مانے ہوئے معروف اصولوں میں شامل ہیں۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو اسلامی مملکت ذمی شہریوں کے وجود پر مشتمل ہوگی اُسے اسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا جس مشکل کا سامنا یورپ کے واضعینِ قانون کو کرنا پڑا تھا اور اسلامی قانون کے راستے میں بھی وہی ناقابلِ تسخیر چٹان حائل ہو جائے گی جس سے ٹکرا کر یورپ کے دینی و اخلاقی قوانین پاش پاش ہو گئے۔ اسلام نے اس الجھن کا ایک نہایت سیدھا سادا اور نہایت عمدہ حل تجویز کیا ہے۔ اُس نے خیالی دنیا میں خوشنما نظریات کے بجائے واقعات کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا ہے اور ان کا عملی حل انسان کے سامنے رکھا ہے۔ اُس نے قانون کے اطلاق میں یہ اصول رکھا ہے کہ جن معاملات و حیثیات میں مسلم و غیر مسلم برابر ہیں ان میں دونوں پر ایک ہی قانون نافذ کیا ہے اور جن اعتبارات میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں وہاں ان کے لیے قانون بھی مختلف تجویز کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جن عام انسانی اور اجتماعی حیثیتوں سے ایک مسلمان اور ایک ذمی برابر ہیں، ان تمام حیثیتوں میں انہیں ایک ہی آنکھ دیکھا جانا چاہیے۔ البتہ ان دونوں کے عقائد ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اس لیے جو قوانین عقائد سے متعلق ہوں گے ان میں مساوات کا سوال ہی سرے سے پیدا نہیں ہوتا۔ جب عقائد ہی میں یکسانیت اور مساوات نہیں تو اس دائرے میں قانونی مساوات کے آخر کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک طرف اگر مساوی فریقین کے درمیان مساوات قائم کرنا صریح عدل کا تقاضا ہے، وہیں دوسری طرف غیر مساوی اور متخالف فریقین کو مساوات کے نام پر ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا خالص ظلم ہے۔ چنانچہ شریعت نے جو قاعدہ اس بارے میں مقرر کیا ہے وہ مساوات کے بنیادی اصول کے ہرگز خلاف نہیں ہے بلکہ وہ عین مساوات ہے کیونکہ مساوات کی اصل روح اور اس کا اصل منشاء عدل و انصاف ہی کا قیام ہے۔ عقائد دینیہ کے معاملے میں اگر مسلم و غیر مسلم سے یکساں قانونی سلوک روا رکھا جائے تو اس سے بڑھ کر زیادتی اور بے انصافی کیا ہو گی۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ان دونوں کو اپنے عقائد کے خلاف قوانین کی پیروی پر مجبور کیا جائے اور انہیں اپنے عقائد پر عمل کرنے کی آزادی سے محروم کر دیا جائے۔ اس طرح کے قوانین بنانا نص قرآنی لا اکراہ فی الدین کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہو گی۔

اس ضمن میں مسلم و غیر مسلم کے مابین جس طرح قانونی تفریق کی گئی ہے اُس کی ایک مثال شرب خمر اور اکل خنزیر ہے۔ اسلام میں ان دونوں افعال کا ارتکاب مسلمان کے لیے حرام ہے اور شریعت کی نگاہ میں ایسا کرنا قانونی جرم ہے۔ لیکن ایک غیر مسلم جس کے مذہب میں یہ افعال حرام نہیں ہیں، اُسے شریعت نے اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اُس پر اس قانون کو نافذ کیا جائے تو یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کو شراب پینے اور سور کھانے کی قانونی اجازت دے دی جائے تو یہ ان کے دینی عقائد کی صریح توہین ہے۔ اس مثال سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جن معاملات کا رابطہ عقائد سے ہے اُن کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً اندھا دھند ایک ہی طرح کا قانون بنا دینا بالکل غلط اور دین و فطرت کے قطعی خلاف ہے۔ اسی طرح اگر دین سے قانون کے رشتے کو بالکل کاٹ دیا جائے تو یہ فعل بھی پورے قانونی نظام پر ایک کاری وار کے مترادف ہے کیونکہ اس کے بعد قانون اپنا اخلاقی جواز اور روحانی اثر و اقتدار بالکل کھو دیتا ہے۔

<u>انسانی قوانین کی بدترین قسم</u> | گزشتہ بحث میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ قوانین شرعیہ کے مقابلے میں انسان کے بنائے ہوئے قوانین ہر لحاظ سے ناقص ہیں لیکن ان بشری قوانین میں سے بھی بدترین اور ناقص ترین قوانین وہ ہیں جنہیں بناتے وقت اُس قوم کے مفادات، خصوصیات اور روایات کو بھی

مدنظر نہیں رکھا جاتا جس قوم کے نام پر وہ قوانین وضع کیے جا رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کے قوانین کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ قومی افکار و نظریات، قومی اخلاق اور قومی خصائص و معروفات کی بھی عین ضد ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح کے قوانین کی پشت پر پوری طاقت موجود ہوتی ہے جو ان کا لوہا جمہور سے منوانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ لیکن ان قوانین کو کبھی تمکن، غلبہ اور قرار نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور ہو بھی کیسے جبکہ وہ افراد کے عقائد سے متصادم ہوتے ہیں، ان کے اخلاق کو بگاڑتے ہیں اور ان کے قلب و ضمیر کو اذیت اور عذاب میں مبتلا رکھتے ہیں۔ اس طرح کے قوانین کے لیے عوام سے اطاعت کا مطالبہ کرنا اور اس کی توقع رکھنا بالکل عبث اور بیکار ہے۔ بلکہ اس قسم کے قانون کے بارے میں جس چیز کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے وہ یہ کہ عوام الناس کے اندر اس کے خلاف غم و غصہ اور عداوت کے جذبات ابھریں گے اور وہ اس طرح کے قانون اور اس کے حامیوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔ ایسے قوانین کی مخالفت کو جبر و تشدد کے ذریعے سے کبھی بھی نہیں دبایا جا سکتا۔ مادی طاقت کے ذریعے اس مزاحمت کو تو ختم کیا جا سکتا ہے جو صرف مادی وسائل کے ساتھ اور مادی اغراض کے تحت پیدا ہوئی ہو لیکن جو مزاحمت عقائد و افکار کے بل پر اور عقاید و افکار ہی کی خاطر رونما ہوئی ہو وہاں تو حال یہ ہو جاتا ہے کہ:

؎ بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد

**بلادِ اسلامیہ کے قوانین** | قانون کی جس بدترین نوع کا ذکر اوپر گزرا ہے، مصر اور دوسرے اسلامی ممالک میں کم و بیش اسی قسم کے قوانین رائج ہیں۔ ہم اس سے پہلے واضح کر چکے ہیں کہ ان سے قانون کا اصل منشا اور مقصد ہی فوت ہو رہا ہے۔ ان کو ہمارے اصول و مصالح سے ادنیٰ تعلق بھی نہیں ہے اور ان کو ہماری جانب منسوب کرنا کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔ نہ ہمارے دل و دماغ میں ان کے احترام کے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ ہم ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ ممالک اسلامیہ نے جس دن سے اسلام کو قبول کیا ہے اُسی دن سے وہاں اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں آگیا تھا۔ یہ قوانین صدیوں تک جاری اور نافذ رہے۔ حتیٰ کہ یورپ کے استعمار پسندوں نے ان ممالک کو اپنے تسلط میں لے لیا اور وہاں یا تو خود مغربی قوانین کو رائج کر دیا یا مقامی حکومتوں کو تربیت دے کر اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے مربیوں کے زیر سایہ جدید طرز کے قوانین اپنے ہاں وضع کریں۔ اس

کا انہدام کے لیے بار بار جو دلیل پیش کی جاتی تھی وہ یہ تھی کہ ان قوانین سے مقصود یہ ہے کہ مغرب کی ترقی یافتہ تہذیب و معاشرت کو اخذ کیا جائے۔ گویا کہ مغرب کی تمدن کے معراج کمال تک رسائی ہو چکی ہے اور مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کی تنہا وجہ قوانین شریعت کی پابندی ہے! یہ دلیل اپنے بودے پن کے باوجود بعض دماغوں میں جاگزیں ہو گئی، حتیٰ کہ اسے عام طور پر صحیح سمجھا جانے لگا، اسے کتابوں میں لکھا جانے لگا اور مدارس میں اسے پڑھایا جانے لگا۔

دلیلِ باطل | اس دلیل کے علمبردار اگر کچھ بھی غور و فکر سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کی دلیل بالکل لغو اور باطل ہے۔ اگر وہ تھوڑی دیر کے لیے سوچتے تو انہیں اندازہ ہو جاتا کہ جن قوانین پر وہ لٹو ہوئے جا رہے ہیں وہ تمام تر پرانے لاطینی قوانین سے ماخوذ ہیں جب مسلمانوں کا تصادم رومی سلطنت سے ہوا تھا اُس وقت یہ قوانین رومیوں کے کچھ بھی کام نہ آسکے تھے اور مسلمانوں نے اس عظیم الشان مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اسی طرح صلیبی لڑائیوں میں پورے یورپ کو مسلمانوں کے مقابلے میں شکست فاش ہوئی تھی، حالانکہ اس سارے بر اعظم میں اُس وقت رومن لا ہی کی عملداری تھی۔ پھر تاریخ کے مطالعے سے اس حقیقت کا معلوم کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں ہے کہ عرب میں امتِ مسلمہ کا آغاز ایک قلیل اور ضعیف جماعت کی حیثیت میں ہوا تھا اور ہر دم یہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ ان کے وجود کو ہی ملیا میٹ نہ کر دیا جائے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بیس سال بعد جو ریاست انہی قوانین شریعہ کے بل پر قائم ہوئی تھی اُس نے فارس کی سلطنت کو تو بالکل صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا اور رومی بادشاہت کے تسلط سے شام، مصر اور شمالی افریقہ کو آزاد کرا لیا۔ اس کے بعد ایک ہزار سے زائد برس تک مسلمانوں کو اقوامِ عالم کی امامت اور قیادت کا منصب حاصل رہا۔ انہوں نے صلیبیوں کا قلع قمع کیا، تاتاریوں کو مغلوب کیا اور مشرقی، جنوبی اور مغربی یورپ میں جا کر اسلام کا جھنڈا گاڑا اور وہاں بھی صدیوں تک ریاست اور حکومت کا کاروبار اسلامی قوانین کے تحت سرانجام پاتا رہا۔

کاش کہ یہ غافل اور سادہ لوح لوگ مصر کے ماضی قریب پر ہی نگاہ ڈال لیتے۔ محمد علی پاشا کے عہد میں مصر یورپ کے بہت سے ممالک سے زیادہ طاقتور تھا۔ مصر نے اُس وقت فرانسیسیوں کو مار مار کر بھگا دیا تھا اور انگلستان کا مقابلہ سمندر میں جا کر کیا تھا۔ مصری افواج نے یونانیوں کے گھر میں جا کر ان کے دانت کھٹے کر دیئے

تھے حالانکہ اس وقت یورپ کی متعدد حکومتیں یونان کی مدد کر رہی تھیں۔ اُس وقت اگر دول یورپ سازش کر کے ہمارے خلاف متحد نہ ہو جاتیں تو حجاز، سوڈان، شام، ترکی اور مصر آج ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے۔ اس سارے دور میں ہمارے ہاں یورپ کے قوانین نہیں بلکہ شرعی قوانین رائج تھے۔

ان سارے واقعات کے باوجود اگر کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا باعث شرعی قوانین ہیں اور یورپ والوں کی ترقی کا سبب مغربی قوانین ہیں تو اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ بعض اوقات غفلت یا غرض پرستی آدمی کو بالکل اندھا بہرا کر دیتی ہے۔ اس طرح کے نادان لوگوں کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں اور مغربی قوموں کی تاریخ کا کچھ مطالعہ کریں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ کامیابی اور سرخروئی کی اصلی علت کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ | کیا یہ لوگ زمین میں نہیں پھرے تاکہ ان کے دل |
| قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ | ہوتے جن سے یہ سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے۔ |
| بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى | یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے |
| الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج: ۴۶) | ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ |

**مسلمانوں کو زوال اتباع شریعت سے نہیں بلکہ ترکِ شریعت سے ہوا**

مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا باعث شریعت ہرگز نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوانینِ شریعت روئے زمین کے تمام قوانین سے افضل اور اشرف ہیں۔ قانون کا کوئی بہتر سے بہتر نظریہ آج تک منکشف نہیں ہوا جو شریعت میں اپنی مکمل اور عمدہ ترین شکل میں موجود نہ ہو۔ علمائے قانون نے قانون کا کوئی جدید سے جدید تر تصور اور تخیل ایسا نہیں پیش کیا جو شریعت میں اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ موجود نہ ہو۔ مسلمان آج اس لیے ذلیل و خوار نہیں ہیں کہ وہ شریعت کے قوانین پر عامل ہیں بلکہ ان کی ذلت کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ آج تمام دیارِ اسلامیہ کے مسلمان محض زبانی دعوے کرنے والے نام کے مسلمان ہیں۔ وہ اپنے خیالات اور اعمال کے لحاظ سے مسلمان نہیں ہیں الا ما شاء اللہ وقلیل ما ھم۔

اگر قوانین میں جدت ہی قوموں کی ترقی کا باعث ہوتی تو بلجیم انگلستان سے زیادہ طاقتور اور ترقی یافتہ

ہوتا، کیونکہ بلجیم کے قوانین جدید ترین ہیں اور انگلستان کے متعدد قوانین قدیم ترین ہیں اور ان میں بہت سے قوانین اُس وقت سے چلے آرہے ہیں جبکہ انگلستان بالکل مجہول الحال تھا اور دنیا میں اُسے کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل نہ تھا۔ پھر جو لوگ شریعت اسلامیہ کے قوانین کو قدیم اور بوسیدہ سمجھتے ہیں، ان کا یہ خیال ہی غلط فہمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ یورپ کے بیشتر ضابطہ ہائے قوانین کے بالمقابل شریعت کے قوانین قدیم نہیں بلکہ جدید ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے قوانین کی بنا رومن لا پر رکھی گئی ہے۔ ان کی اٹھان رومن قانون کے نصوص و قواعد کے حدود اربعہ میں ہی ہوئی ہے۔ ان کے اندر سارے اساسی اور بنیادی تصورات و نظریات وہی کام کر رہے ہیں جو رومن مقننین نے پیش کیے تھے۔ یورپ کے قوانین کی تخریج اور استنباط کا سارا کام انہی اصول و حدود کے دائرے میں سرانجام دیا جاتا ہے، الّا یہ کہ کسی شدید ضرورت کی بنا پر اس راستے سے ہٹنا پڑے۔ اس لحاظ سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے مأخذ اور مبدأ کے اعتبار سے قوانینِ اسلامیہ یورپین قوانین کی بہ نسبت جدید تر ہیں نہ کہ قدیم تر، کیونکہ اسلام کے قوانین کی اصل قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور قرآن و سنت کا نزول رومن لا کی تشکیل کے بعد ہوا ہے۔

مسلمانوں کو یہ حقیقت اپنے ذہن سے کبھی محو نہیں کرنی چاہیے کہ شریعت ہی انہیں عدم سے وجود میں لانے، انہیں خیر الامت بنانے اور دنیا بھر میں انہیں سرفراز کرنے کا موجب ہوئی ہے۔ شریعت نے ہی ان کی تعلیم و تربیت کی، انہیں علوم و آداب سکھائے اور انہیں عزت و شرافت کے جوہر سے شناسا کیا۔ شریعت ہی نے ان کے اندر قوت اور عزیمت پیدا کی، ان کے اندر ایسے ایسے جہانبان اور کشورکشا پیدا کیے جنہوں نے چاردانگ عالم میں عظیم الشان مملکتوں کی بنیاد رکھی، ایسے ایسے علماء و ادباء پیدا کیے جنہوں نے علم و ادب کی بے نظیر خدمات سرانجام دیں۔ مسلمانوں کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کا قانون سب سے پہلا قانون ہے جس نے انسانوں کے مابین مساواتِ تامہ اور عدالتِ مطلقہ کے تصور کو عملی جامہ پہنایا اور ان پر تعاون علی البرو التقویٰ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب ٹھہرایا۔ ان مقاصد کے حصول کے لحاظ سے قوانینِ موضوعہ شرعی قوانین کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں نے جب تک شریعت کا دامن تھامے رکھا دنیا میں وہ کامران اور سرخرو رہے اور جب انہوں نے اس کا دامن چھوڑ دیا اُس وقت وہ

اسلام سے قبل کی جاہلیت اور تاریکی کی طرف لوٹ گئے۔ ضعف، ذلت اور مسکنت نے انہیں آدبوچا اور وہ اس قابل بھی نہ رہے کہ ظالم کی دراز دستیوں کے مقابلے میں اپنی مدافعت کر سکیں۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمان ایمان لائے اور حق یہ ہے کہ انہوں نے ایمان لانے کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں تمکن عطا کیا۔ جس قدیر و عزیز نے اُن مسلمانوں کو قلت اور ضعف کے باوجود طاقت بخشی تھی وہ یقیناً اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ ہمیں بھی طاقت اور قوت بخشے بشرطیکہ ہم بھی ایمان کا حق ادا کریں۔ یہ اللہ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنا وعدہ وفا کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۵)

وعدہ کیا ہے اللہ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تم میں سے اور اعمال کیے ہیں انہوں نے اچھے کہ خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جیسے کہ خلیفہ بنایا اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے تھے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (المائدہ: ۱۵)

آگئی ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب مبین۔ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اپنی رضا کی پیروی کرنے والوں کو اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف اپنے اذن سے اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

**قوانینِ وضعیہ کا ابطال** | ہر ایسا قانون جو قرآن و سنت، اُس کے اصول و مبادی اور اُس کی روح کے خلاف ہو وہ مطلقاً باطل اور کالعدم ہے۔ کسی مسلمان کے لیے اُس کی اطاعت جائز نہیں بلکہ اس کے خلاف محاربہ لازم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے اوامر و نواہی کا مقرر کیا جانا کوئی فعل عبث نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں۔ جو رسول کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق عمل کرتا ہے اس کا فعل صحیح اور جائز ہے کیونکہ وہ شارع کے حکم کے موافق ہے اور جو شریعت کی

مخالفت کرتا ہے اُس کا فعل باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء: ٦٤)

ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: ٧)

جو کچھ تمہیں دے رسول اُسے لے لو اور جس سے تم کو منع کرے رُک جاؤ۔

بطلان کے دلائل | اسلام میں قانون سازی کے مآخذ کتاب، سنت اور اجماع ہیں اور ان تینوں کے اندر اس بات کے حق میں دلائل موجود ہیں کہ شریعت سے آزاد ہو کر جو قانون سازی بھی کی جائے وہ باطل اور بے اصل ہے۔ قرآن اور سنت کے نصوص اس بارے میں بالکل قطعی اور صریح ہیں اور ان نصوص کی موجودگی میں اجماع کا انعقاد ایک ناگزیر امر تھا۔ ذیل میں ہم غیر شرعی قوانین کے ابطال کے حق میں چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت و اتباع کی صرف دو قسمیں قرآن میں بیان فرمائی ہیں۔ یا تو اتباع اللہ اور اس رسول کے فرمان کا ہے اور یا پھر اتباعِ ہوئ اور خواہشاتِ نفس کی اطاعت اور پیروی ہے۔ ان دونوں کے مابین کوئی تیسری شکل نہیں ہے اور ان دونوں میں سے ایک خالص ہدایت ہے اور دوسری خالص ضلالت۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ۔ (القصص: ٥٠)

اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں اور کون بڑھ کر گمراہ ہے اُس سے جو اپنی خواہش کی پیروی کرے بغیر اللہ کی ہدایت کے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (ص: ٢٦)

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس حکومت کرو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ اور مت پیروی کرو خواہش کی ورنہ وہ تجھے سیدھے راستے سے بھٹکا دے گی۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ

پھر ہم نے تم (محمدؐ) کو حکم دینے کے ایک طریقے پر قائم کیا

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الجاثیہ: ۱۸)

پس اس کا اتباع کرو اور مت پیروی کرو ان کی خواہشات کی جو نہیں جانتے۔

اِتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ۔ (الاعراف: ۳)

پیروی کرو اُس چیز کی جو اتاری گئی ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اور مت پیروی کرو اُس کے علاوہ اولیا کی کم ہی تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

ان نصوصِ قرآنیہ نے اتباعِ خلافِ شریعت کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے، اور شریعت کے سوا کسی دوسری شے پر عمل کرنے کو کلیتہً ممنوع قرار دے دیا ہے۔ جو آدمی ایسا کرتا ہے اُس پر اتباعِ ہوئی اور ضلالت کا حکم لگا دیا گیا ہے۔ ایسا شخص گمراہ ہے، ظالم ہے، اللہ کے اتارے ہوئے احکام کا باغی ہے اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنانے والا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے تحاکم الی غیر اللہ کو حرام قرار دیا ہے اور مومن کے لیے اس بات کو جائز نہیں ٹھہرایا کہ وہ اللہ کے حکم کے علاوہ کسی دوسرے کے حکم پر راضی اور مطمئن ہو۔ اگر وہ ایسا کرے تو اسے دور کی گمراہی اور شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۔ (النساء: ۶۰)

کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اُس چیز پر جو اتاری گئی ہے تیری طرف اور جو اتاری گئی ہے تجھ سے پہلے وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت سے کرائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں گمراہ کر کے دور بھٹکا دے۔

پس جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی اور اُس کے رسول کی لائی ہوئی تعلیمات کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے نہیں کراتا، اُس نے یقیناً طاغوت کو اپنے لیے حَکَم بنا لیا ہے۔ اللہ کی مخلوقات میں سے جو کوئی بندگی کے مقام سے بڑھ کر معبود، متبوع اور مطاع کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے وہ طاغوت ہے چنانچہ

اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جس کسی کو بھی اپنے تنازعات میں ثالث بنایا جاتا ہے، اس کی عبادت کی جاتی ہے یا اس کی غیر مشروط اطاعت کی جاتی ہے وہ طاغوت کی تعریف میں آجاتا ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اُس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ پر بھی ایمان لائے اور جس نے اللہ سے فیصلہ طلب کرنے کا عہد کر لیا ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ سے بھی جا کر فیصلہ طلب کرے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے یہ جائز نہیں رکھا ہے کہ وہ کسی ایسے معاملے میں اپنے لیے آزادیٔ انتخاب کو استعمال کرے جس معاملے میں اللہ اور اُس کے رسول نے کوئی فیصلہ صادر فرما دیا ہو۔ جو شخص ایسا کرتا ہے اُسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ قرآن کی رُو سے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ (الاحزاب: ۳۶)

کسی مومن یا مومنہ کا یہ کام نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے کوئی اختیار و انتخاب کا موقع رہ جائے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق ہر معاملے میں فیصلہ کریں۔

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ: ۴۹)

اور یہ کہ فیصلہ کرو ان کے درمیان اُس چیز کے مطابق جو اللہ نے نازل کی ہے۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء: ۱۰۵)

ہم نے نازل کی ہے تمہاری طرف کتاب حق کے ساتھ تاکہ تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان اُس چیز کے مطابق جو اللہ نے تم کو سجھائی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ... هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (المائدہ: ۴۴-۴۷)

جو کوئی اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی کافر ہیں ..... ظالم ہیں ..... فاسق ہیں۔

مسلمانوں میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ کے نازل کردہ احکام کے علاوہ کسی دوسرے طریق پر اپنے معاملات کے فیصلے کراتا ہے اُس پر اللہ تعالیٰ کی ان تینوں آیات میں سے ایک نہ ایک آیت

ضرور صادق آتی ہے۔ مثلاً چوری یا قذف یا زنا کے معاملے میں اگر کوئی شخص اپنے مقدمے کا فیصلہ غیر اسلامی قوانین کے مطابق اس لیے کرانا چاہتا ہے کہ وہ غیر اسلامی قوانین کو اسلامی قوانین سے افضل اور بہتر سمجھتا ہے تو وہ قطعی کافر ہے۔ اپنے دل اور اپنی زبان سے اگر ایک شخص اسلامی قوانین تعزیرات کی برتری کو تسلیم کرتا ہے لیکن ضعف ایمانی یا کسی دوسری مجبوری کی بنا پر وہ غیر اسلامی قوانین سے مدد لیتا ہے تب بھی فاسقین کے زمرے میں شامل ہونے سے وہ اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ اور اگر وہ کسی کی حق تلفی یا کسی سے بے انصافی بھی کرتا ہے تو وہ ظلم کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں رسول کو اپنا ثالث اور پنچ نہ تسلیم کرے۔ پھر ایمان کے لیے اس طرح کی تحکیم کا محض ظاہری اور مجرد صورت میں مان لینا کافی نہیں ہے بلکہ ایمان کے وجود اور ثبات کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سپر ڈال دینے کا فعل پوری خوشدلی اور آمادگیٔ نفس کے ساتھ سرانجام پائے۔ اور ظاہر ہے کہ رسولؐ کا فیصلہ یا تو کتاب الٰہی کے نصوص پر مبنی ہوگا اور یا اللہ کی عطا کردہ اُس حکمت و بصیرت پر مبنی ہوگا جس کا عملی مظاہرہ "سنت" کی شکل میں وجود پذیر ہوا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء: ۶۵)

نہیں، تیرے رب کی قسم نہیں ایمان لا سکتے جب تک کہ وہ تجھے حکم نہ بنالیں اپنے تنازعہ فیہ معاملات میں، پھر نہ پائیں اپنے دل میں تنگی آپ کے فیصلے کی وجہ سے اور سر تسلیم خم کر دیں۔

۶۔ جو شے اسلام میں حرام ہے وہ دنیوی قوانین و احکام کے حلال کر دینے کے باوجود حرام ہی رہتی ہے۔ اسلام میں حق قانون سازی مقید اور مشروط ہے اور اس حق کو ایک مسلمان بھی اسلام کی عائد کردہ حدود کے اندر ہی استعمال کر سکتا ہے۔ اگر کوئی ہیئت حاکمہ ان حدود سے تجاوز کرے اور اس طرح کے قوانین کو بنانا اور نافذ کرنا شروع کر دے جن کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے، تو ایک مسلمان کے لیے ان قوانین کا اتباع و نفاذ ازروئے شرع واجب نہیں ہے بلکہ اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کے بدلنے کے لیے کشمکش اور جدوجہد کرے

| | |
|---|---|
| يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ (النساء: ۵۹) | اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اپنے میں سے اولی الامر کی۔ اگر تم میں تنازع ہو جائے کسی شے میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یوم آخرت پر۔ یہ بہتر اور عمدہ ہے انجام کے اعتبار سے۔ |

اللہ جل شانہ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اطاعت کے فعل کی تکرار سے پتہ چلتا ہے کہ اطاعت رسول کی بھی ایک مستقل حیثیت ہے۔ رسول جس بات کا بھی حکم دے خواہ وہ قرآن میں مذکور ہو یا نہ ہو، اُس کی اطاعت واجب ہے۔ کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے قرآن اور اُس کے ساتھ اُسی جیسی ایک چیز عطا کی گئی ہے (اوتیت الکتٰب ومثلہ معہ)۔ اولی الامر کے ساتھ اطاعت کے لفظ کو دُہرایا نہیں گیا۔ کیونکہ یہ اطاعت مستقل بالذات نہیں ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تحت آتی ہے۔ اسی طرح سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پہلے آیا ہے اور اولی الامر کا ذکر بعد میں۔ گویا کہ سبقت اور تقدم اللہ اور رسول کی اطاعت کو حاصل ہے جب اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کا حق ادا ہو چکتا ہے اور جب ان کی مخالفت کا امکان باقی نہیں رہتا اُس وقت اولی الامر کی اطاعت لازم آتی ہے۔ پس جو حکمران اللہ اور اُس کے رسول کے فرمان کے مطابق حکم دیتا ہے اس کی اطاعت واجب ہے اور جو اس کے خلاف حکم دے اُس کے لیے سمع وطاعت کا حق ہرگز ثابت نہیں ہے۔

(باقی)